سیر وسوانح

محبوب عالم فاروقی*

امام لیث بن سعدؒ - حیات وخدمات (۱)

[اس تحریر میں بنیادی طور پر حافظ ابن حجرؒ کے رسالہ ''الرحمة الغيثية فی الترجمة اللثية'' سے استفادہ کیا گیا ہے]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حفاظت دین کے لیے ہر دور میں ایسے رجال پیدا کیے ہیں جنھوں نے اس مقصد کے لیے اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے لیے کتنے ہی طالع آزما میدان میں آئے اور فکر اسلامی کا شیرازہ بکھیرنے کے درپے ہوئے، لیکن ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے رجال پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ان فتنوں کا رَد کیا اور شریعت اسلامیہ کے چشمہ صافی کو اسی طرح مصفی رکھا جس طرح کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دے کر گئے تھے۔

امام اللیث بن سعد بھی امت کے ان عظیم علماء اور فقہاء کے طائفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

نام ونسب اور خاندانی پس منظر:

آپ کا نام لیث اور کنیت ابوالحرث ہے۔ آپ کے والد کا نام سعد اور دادا کا نام عبدالرحمان ہے۔ آپ کا تعلق ایک غلام خاندان سے تھا جو کسی معرکہ میں قبیلہ قیس کی شاخ 'فہم' کا غلام بن گیا تھا۔ آپ کا آبائی وطن اصفہان ہے۔ اسی غلامی کی وجہ سے آپ کے آباؤاجداد مصر میں آباد ہو گئے تھے اور امام لیث کی پیدائش مصر کے ایک گاؤں ''قرقشندہ'' میں ہوئی۔ یہ علاقہ مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے نواح میں واقع ہے۔ امام لیث 94ھ میں تولد ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کے دادا کا ذکر مولیٰ بنی فہم کے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ امام صاحب کو اصفہان سے زندگی بھر خاص لگاؤ رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اہل اصفہان سے نیک برتاؤ کیا کرو۔ (ابن حجر العسقلانی، الرحمة الغيثية بالترجمة اللثية، ص ۳)

اسی قرقشندہ بستی میں ان کی زرعی زمینیں تھیں جن سے ان کو سالانہ چالیس سے پچاس ہزار درہم آمدن ہوتی تھی۔ یہ بات ان کے چچا ابن رفاعہ کے لیے قابل برداشت نہیں تھی اور وہ ان کی مخالفت میں لگے رہتے تھے اور آخر کار ان کا گھر بھی تباہ کر دیا تھا۔ امام صاحب کے نام سے مصر میں ایک محلّہ زقاق لیث بن سعد کے نام سے ہے جہاں ان کا اپنا گھر اور ایک

---

*ایم فل اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

بہت بڑی مسجد بھی ہے جو امام لیث نے خود تعمیر کروائی تھی۔ (ابوالفرج ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، ج ۴، ص ۳۰۹ و ۳۱۰)

اساتذہ وشیوخ

ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی مروجہ تعلیم انہوں نے حاصل کی جس میں عربی زبان وادب، صرف ونحو اور عربی میں شعر وسخن شامل ہے۔ بعد میں انہوں نے علم حدیث اور فقہ پر دسترس حاصل کی اور ان کی وجہ شہرت یہی علوم بنے۔ سن شعور کو پہنچتے ہی انہوں نے حدیث وفقہ کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے اپنے وطن مصر کے مشائخ فقہ وحدیث سے استفادہ کیا، پھر اسلامی ممالک کے دوسرے مقامات کا سفر کر کے تمام معروف ومشہور اساتذہ سے مستفیض ہوئے۔

امام لیث بن سعد نے کثیر اساتذہ سے اکتساب فیض فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی ملاقات پچاس سے زائد تابعین سے ہوئی۔ ان کے بعض شیوخ کے نام درج ذیل ہیں:

عطاء، نافع، ابوالزبیر، زہری، ابن ابی ملیکہ، سعید بن ابی سعید المقبری، مشرح ابن ہاعان، ابوقبیل المعافری، یزید بن ابی حبیب، جعفر بن ربیعہ، عبیداللہ بن ابی جعفر، بکیر بن عبداللہ بن الاشج، عبدالرحمٰن بن القاسم، حارث بن یعقوب، عقیل بن خالد، یونس بن یزید، حکیم بن عبداللہ بن قیس، عامر بن یحییٰ المعافری، عمر مولیٰ غفرۃ، عمران بن ابی انس، عیاش بن عباس، کثیر بن فرقد، ہشام بن عروۃ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین، ایوب بن موسیٰ، بکر بن سوادۃ، ابوکثیر الجلاح، حارث بن یزید الحضرمی، خالد بن یزید، صفوان بن سلیم، خیر بن نعیم، ابوالزناد، قتادہ، محمد بن یحییٰ بن حبان، یزید بن عبداللہ بن الہاد، یحییٰ بن سعید انصاری۔

مشہور تابعی نافع جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے، لیث بن سعد کے زمانہ میں مرجع خلائق تھے۔ یہ ان کی خدمت میں بھی پہنچے۔ حضرت نافع نے ان کا نام ونسب اور وطن پوچھا۔ جب یہ بتا چکے تو عمر دریافت کی۔ لیث نے کہا: بیس برس۔ فرمایا مگر داڑھی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عمر چالیس سال سے کم نہ ہوگی۔ (الرحمۃ الغیثیۃ، باب دوم، ص ۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے لیث بن سعد کا ایک مرتب کردہ حدیث کا ایک مجموعہ دیکھا تھا جس میں انہوں نے سو (۱۰۰) کے قریب حدیثیں صرف نافع کی روایت سے جمع کی تھیں۔

نافع مولیٰ ابن عمر کے علاوہ ان کے چند تابعی شیوخ کے نام یہ ہیں: امام زہری، سعید المقبری، عبداللہ بن ابی ملیکہ، یحییٰ الانصاری رحمہم اللہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ بے شمار اتباع تابعین سے بھی انہوں نے فیض حاصل کیا، امام نووی رحمہ اللہ ان کے چند ممتاز شیوخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وخلائق لا یحصون من الائمۃ۔ (ان کے علاوہ اتنے ائمہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔) (تہذیب الاسماء)

امام لیث بن سعد کو امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے بھی سماع حدیث حاصل ہے یا نہیں، اس کے متعلق تاریخی

روایات مختلف ہیں۔ بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۳ھ میں حج کے لیے گئے تھے اور اسی سال مکہ میں امام زہری رحمہ اللہ سے سماع کیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تہذیب میں یہی لکھا ہے، مگر الرحمۃ الغیثیۃ میں اس کے خلاف کوئی ایک روایت نقل کی ہے۔ ابن خلکان نے ان سے استفادہ کا تو ذکر کیا ہے، مگر سماع کا نہیں کیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کے علم وفضل سے انہوں نے فائدہ ضرور حاصل کیا تھا، لیکن یہ استفادہ بالواسطہ تھا، بالمشافہ نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لیث، امام زہری کی روایتیں کبھی ایک، کبھی دو اور تین اور اس سے زائد واسطوں سے روایت کرتے ہیں۔ خود لیث کا یہ قول متعدد تذکروں میں منقول ہے:

كتبت من علم الزهرى كثيراً (يعنى عن غيره) فاردت ان اركب البريد اليه الى الرصافة فخفت ان لايكون ذالك لله فتركت ذالك (يعنى فصار يروى عنه بالواسطة)۔ (الرحمۃ الغیثیۃ، ص ۴)

ترجمہ: ''میں نے زہری کی روایتوں کی ایک کثیر مقدار لکھ لی تھی، یعنی دوسروں کے واسطے سے۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ رصافہ جا کر ان سے بالمشافہ روایت کروں مگر اس خوف سے باز آ گیا کہ ممکن ہے کہ میرا یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ پھر وہ بالواسطہ ہی روایت کرتے رہے۔''

تلامذہ اور شاگرد:

امام لیث بن سعد کے سامنے بڑے بڑے ائمہ کرام کو زانوے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس زمانے میں تھے، لیکن وہ فیض حاصل نہ کر سکے اور ساری زندگی اس پر افسردہ رہے۔

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ امام عنفوانِ شباب ہی میں اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ اس وقت سے لے کر وفات تک وہ مصر ہی میں رہے۔ پوری عمر میں بمشکل دو یا تین بار وہ مصر سے باہر گئے۔ اس پوری مدت میں وہ اپنے اوقات کا نصف حصہ تعلیم وافادہ، تحدیث روایت اور تفریع مسائل میں صرف کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اتنی لمبی مدت میں ان سے ہزاروں آدمیوں نے اکتسابِ فیض کیا ہوگا۔ ان تمام مستفیدین اور تلامذہ کا استقصا تو ناممکن ہے، چند ممتاز فیض یافتگانِ درس کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

شعیب، محمد بن عجلان، ہشام بن سعد، (یہ دونوں بزرگ ان کے شیوخ میں تھے)، ابن لہیعہ، ہشیم بن بشیر، قیس بن الربیع، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب، ابوالولید بن مسلم، ابوسلمہ الخزاعی، عبداللہ ابن الحکم، سعید بن سلیمان، آدم بن ایاس، عبداللہ بن یزید المقری، عمرو بن خالد، عیسیٰ بن حماد رحمہم اللہ وغیرہ۔

حافظ ابن حجر نے تقریباً ۵۰ ثقہ تلامذہ کا تذکرہ کیا ہے۔

سخاوت، فیاضی اور مہمان نوازی

ان کے صحیفہ زندگی کا یہ باب نہایت ہی روشن ہے۔ وہ اپنے اخلاق واوصاف اور سیرت وکردار میں اسلامی زندگی کا

نمونہ تھے۔ ابن مریم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ جامع اوصاف آدمی نہیں دیکھا۔ ہر وہ عادت وخوبی جس سے خدا کا قرب حاصل ہوسکتا ہو، وہ ان میں موجود تھی۔ (الرحمۃ الغیثیۃ ص ۹)

ایک بار مصر کا ایک قافلہ امام مالک کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے ملنے میں کچھ تاخیر کی۔ یہ لوگ آپس میں چہ مے گوئیاں کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ یہ اخلاق میں ہمارے امام کی طرح نہیں ہیں۔ امام مالک نے یہ بات سنی تو ان کو فوراً اندر بلا لیا اور پوچھا، تمہارے امام کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ لیث بن سعد۔ فرمایا، مجھے ان کے ساتھ تشبیہ نہ دو۔ پھر ان کے کچھ اخلاقی اوصاف بیان کیے۔ (صفۃ الصفوۃ، ج ۴ ص ۳۱۱)

ایک بار بعض تاجروں نے ان سے کچھ پھل خریدے۔ خریداری کے بعد ان کو پھل گراں محسوس ہوئے، اس لیے آپ سے پھل واپس کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے پھل واپس لے لیے۔ جب معاملہ ختم ہوگیا تو روپے کی تھیلی مانگی اور اس میں سے پچاس دینار نکال کر تاجروں کو ہدیتاً دے دیے۔ ان کے صاحبزادے بھی موجود تھے۔ ان کو یہ برا معلوم ہوا اور انہوں نے حضرت لیث سے اس کا ظہار بھی کیا، مگر آپ نے فرمایا کہ خدا تمھیں معاف کرے، یہ پھل انہوں نے فائدے ہی کی اُمید سے تو خریدا تھا، مگر جب ان کو فائدہ محسوس نہیں ہوا تو انہوں نے واپس کر دیا اور واپس کرنے کے بعد ان کے فائدے کی اُمید بھی ختم ہوگئی تو میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کی اس اُمید وتوقع کا کچھ تو بدلہ دے دوں۔ (صفۃ الصفوۃ، ج ۴ ص ۳۱۱)

سخاوت وفیاضی گویا ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ وہ اپنی دولت مستحقین پر بے دریغ صرف کرتے تھے۔ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ ان کی سالانہ آمدنی ۷۰، ۸۰ ہزار دینار تھی، مگر اس پوری آمدنی پر کبھی زکوٰۃ دینے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ یہ پوری آمدنی فقراء ومساکین اور مستحق اہل علم پر خرچ ہو جاتی تھی۔ خود فرماتے تھے کہ میں جب سے بالغ ہوا ہوں، مجھ پر ایک درہم بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔

کسی سال آمدنی کم ہوتی تھی تو قرض کی نوبت آجاتی تھی۔ جب تک زندہ رہے، سو دینار سالانہ تسلسل سے امام مالک رحمہ اللہ کے پاس بھیجتے رہے۔ ایک بار امام مالک نے انہیں لکھا کہ مجھ پر کچھ قرض ہوگیا ہے تو فوراً پانچ سو دینار ان کے یہاں بھجوا دیے۔ ایک بار امام مالک نے ان سے تھوڑی سی عصفر (پیلے رنگ کی گھاس) لڑکوں کے کپڑے رنگنے کے لیے مانگی (غالباً یہ مصر کی خاص پیداوار تھی)۔ انہوں نے اتنی مقدار میں بھیجی کہ امام مالک رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے گھر کے بچوں کے کپڑے رنگے، پڑوسیوں نے استعمال کیا۔ پھر بھی اتنی بچ گئی کہ ایک ہزار دینار میں اُسے فروخت کیا گیا۔ (خطیب نے اس واقعہ کے بیان میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔)

امام لیث بن سعد ۱۱۳ھ میں حج کو گئے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر زیارتِ نبوی کی غرض سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے تو امام مالک نے عمدہ کھجوروں کا ایک طشت ان کے پاس ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے اس طشت میں ایک ہزار دینار رکھ کر واپس کیا۔

ابن لہیعہ مشہور محدث تھے۔ اتفاقاً ان کے گھر میں آگ لگ گئی اور سارا اثاثہ جل گیا۔ حضرت لیث بن سعد کو اطلاع

ہوئی تو ایک ہزار دینار بطورِ اعانت ان کے پاس بھیج دیے۔ بسا اوقات وہ اپنی اس داد ودہش کو اپنے لڑکوں سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے تاکہ پانے والے کو یہ ذلیل نہ سمجھیں۔ ایک بار منصور بن عمار کو انہوں نے ایک رقم دی اور کہا کہ دیکھو میرے لڑکے کو نہ معلوم ہو، ورنہ تم اس کی نگاہ میں حقیر ہو جاؤ گے۔ جب ان کے صاحبزادے شعیب کو معلوم ہوتا تو اس کی تلافی میں انہوں نے بھی اپنے والد کی رقم سے ایک دینار کم رقم منصور کو دی اور کہا کہ میں نے ایک دینار کم اس لیے کر دیا ہے کہ عطیہ میں والد کے برابر نہ ہو سکوں۔

اسد بن موسیٰ کا بیان ہے کہ جب عراق میں عباسیوں نے بنوامیہ کو قتل کرنا شروع کیا تو میں بھاگ کر مصر چلا گیا۔ مصر میں بڑی بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں پہنچا تھا۔ اتفاق سے اسی حالت میں لیث بن سعد کی مجلس درس میں گیا۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو ان کا خادم میرے پاس آیا اور کہا کہ میں جب تک واپس نہ آجاؤں، تم یہیں ٹھہرو۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا اور اس نے مجھے سو دینار کی ایک تھیلی دی اور کہا کہ امام نے فرمایا کہ اس سے اپنا سامان درست کر لیجیے۔ اسد کا بیان ہے کہ اس وقت میری کمر میں ایک ہزار دینار بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کو نکالا اور خادم سے کہا کہ میں شیخ سے ملنا چاہتا ہوں، تم جا کر اجازت لے آؤ۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا، اپنا نام ونسب بتایا اور پھر اس رقم کو واپس کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے، صدقہ نہیں ہے، اس لیے قبول کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیے۔ میں نے معذرت کی اور کہا کہ جس چیز سے میں مستغنی ہوں، نفس کو اس کا عادی بنانا نہیں چاہتا۔ شیخ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم لینا پسند نہیں کرتے تو مستحق اصحاب حدیث میں یہ رقم تقسیم کر دینا۔ اسد کہتے ہیں کہ میں نے مجبور ہو کر یہی کیا۔

ایک عورت ایک پیالہ لے کر آئی اور اس نے کہا کہ میرا شوہر بیمار ہے۔ (بعض تذکروں میں لڑکے کا ذکر ہے اور بعض تذکروں میں مطلقاً یہ واقعہ مذکور ہے) معلوم ہوا ہے کہ آپ کے یہاں شہد ہے، اس کے لیے پیالہ بھر شہد دے دیجیے۔ فرمایا، وکیل (ناظم اُمورِ خانہ داری یا پرائیوٹ سکریٹری کو وکیل کہتے تھے) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ تمھیں ایک مطر شہد دے دے۔ عورت جب وکیل کے پاس پہنچی تو وکیل امام کے پاس آیا اور غالباً شہد کی اتنی بڑی مقدار دینے پر کچھ کہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ جاؤ، اس کو دے دو۔ اس نے اپنے ظرف کے بقدر مانگا تھا، ہم اس کو اپنے ظرف کے بقدر دیتے ہیں۔ (ایک مطر کا ایک سو بیس رطل ہوتا ہے۔) (الرحمۃ الغیثیۃ وصفۃ الصفوۃ)

سخاوت وفیاضی کا ایک مظہر مہمان نوازی بھی ہے۔ بخل کے ساتھ یہ صفت شاذ ونادر ہی جمع ہوتی ہے۔ لیث بن سعد جس درجہ کے فیاض تھے، اسی درجہ کے مہمان نواز بھی تھے۔ عبداللہ ابن صالح ان کے خاص شاگرد اور کاتب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں تقریباً بیس برس ان کی خدمت میں رہا، مگر کبھی ان کو تنہا کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ لیث کے پاس جب کوئی مہمان باہر سے آجاتا تھا تو وہ جب تک رہتا تھا، اس کو وہ اپنے اہل وعیال کی طرح اپنی کفالت میں لے لیتے تھے۔ جب وہ جانا چاہتا تھا پورا زادِ سفر دے کر واپس کرتے تھے۔

یہ مہمان نوازی صرف حضر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ سفر میں بھی مہمانوں کا ہجوم ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان کے شاگرد قتیبہ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ایک بار امام لیث بن سعد کے ساتھ اسکندریہ سے سفر کرنے کا اتفاق ہوا تو اس

سفر میں تین کشتیاں تھیں، ایک کشتی میں کھانے کا سامان تھا، دوسری میں اہل وعیال اور تیسری کشتی مہمانوں کے لیے مخصوص تھی۔

اشہب کا بیان ہے کہ لیث بن سعد کبھی کسی سائل کو واپس نہیں کرتے تھے اور ان کے یہاں ایک لنگر خانہ جاری رہتا تھا۔ عموماً جاڑوں میں ان کے یہاں ہریسہ (یہ گیہوں کو کوٹ کر اس میں گوشت کی آمیزش کر کے بناتے تھے) شہد اور گائے کے گوشت کے ساتھ مہمانوں کو ملتا تھا اور گرمی میں اخروٹ کا ستو شکر کے ساتھ۔ ان کا معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد مساکین پر کچھ رقم صدقہ ضرور کرتے تھے۔

ان کی زندگی کی جامعیت کی وجہ سے ہر طبقہ اور ہر زمرہ کے لوگ ان کی خدمت میں آتے اور اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔ حکومت کے ذمہ دار اور اہلِ علم سے لے کر عوام تک اس میں شامل تھے۔ روزانہ ان کی چار مجلسیں ہوتی تھیں۔ ایک مجلس حکومت وارکانِ حکومت کی ضروریات کے لیے مخصوص ہوتی تھی، دوسری مجلس میں وہ تشنگانِ حدیث نبوی کی پیاس بجھاتے تھے اور تیسری مجلس ان لوگوں کے لیے ہوتی تھی جو فقہ ومسائلِ فقہ دریافت کرنے آتے تھے اور چوتھی مجلس عام لوگوں کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ ان مجلسوں میں ان کا سلوک نہایت ہی فیاضانہ ہوتا تھا، نہ تو افادہ وتعلیم میں کسی کی دل شکنی کرتے تھے اور نہ اہل حاجت روائی میں دلگیر ہوتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ:

لا یسئلہ احد فیردہ صغرت حاجۃ او کبرت۔ (الرحمۃ الغیثیۃ ص ۹)

ترجمہ: یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص سوال کرے اور وہ اسے رد کر دیں؛ خواہ اس کی وہ ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔

لیکن یہ ساری فیاضی اور سیر چشمی دوسروں کے لیے تھی، ان کی ذاتی زندگی نہایت سادہ تھی۔ محمد بن معاویہ کا بیان ہے کہ ایک بار اپنے گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تو میں نے ان کی سواری اور سامان وغیرہ کا اندازہ کیا تو سب کی قیمت ۱۸، ۲۰ درہم سے زیادہ نہ تھی۔

دنیاوی عہدوں سے بیزاری:

خلافت راشدہ کے بعد اموی حکومت جب ملوکیت کا شکار ہوئی اور حق وناحق کا فیصلہ ایک شخص کی رائے کے تحت ہونے لگا، اس وقت سے ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم اور محتاط تابعین نے حکومت سے تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ تبع تابعین کے زمانہ میں گو یہ احتیاط کم ہو گئی تھی مگر پھر بھی ممتاز اور خدا ترس تبع تابعین کی اکثریت نے حکومت کے ساتھ تعاون وتعلق میں صحابہ وتابعین ہی کی روش اختیار کی۔ لیث بن سعد کا رویہ اس بارے میں ذرا معتدل تھا۔ انہوں نے نہ تو اتنا تعلق پیدا کیا کہ وہ درباری عالم ہو کر رہ گئے اور نہ اتنے بے تعلق رہے کہ اس شجر ممنوعہ کے قریب جانا بھی پسند نہ کرتے۔ انہوں نے نہ تو حکومت کی کوئی ذمہ داری قبول کی اور نہ اس کے سامنے اپنی کوئی غرض لے گئے کہ اظہارِ حق میں یہ مانع ہو، مگر اسی کے ساتھ وہ خلفا وامراء سے ملتے اور ان کی بہت سی ملکی وانتظامی مشکلات میں ان کا ہاتھ بھی بٹاتے رہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ان کی ایک مجلس خاص طور سے ارکانِ حکومت کی حاجت روائی کے لیے ہوتی تھی۔

ان کی اسی اعتدال پسندی کی وجہ سے عوام اور حکومت دونوں پر ان کا اثر تھا۔ ان کے مشورے پر مصر کے امراء وقضاۃ کا عزل ونصب ہوتا تھا۔ ایک بار قاضی اسماعیل بن الیسع نے ایک مسئلہ میں ایسا فتویٰ دے دیا جسے اہل مصر پسند نہیں کرتے تھے۔ اس پر ان کے خلاف ایک ہنگامہ ہوگیا۔ جب امام لیث کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ نے یہ فتویٰ کیسے دے دیا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل اس کے خلاف موجود ہے؟ غالباً قاضی صاحب نے رُجوع نہیں کیا، اس لیے لیث بن سعد نے ان کو معزول کرنے کی سفارش کردی۔

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ پہلے مصر میں قضاۃ کا تقرر مصر کے اُمراء کے ہاتھ میں تھا، مگر بعد میں یعنی سنہ ۱۵۵ھ سے براہِ راست خلفاء ان کا تقرر کرتے تھے۔ اسماعیل دوسرے قاضی تھے جن کو مہدی نے خود مقرر کیا تھا۔ کندی نے کتاب القضاۃ میں اس کی تفصیل دی ہے چنانچہ ان کے معزول کیے جانے کا شاہی فرمان آ گیا۔ چونکہ اس معزولی میں قاضی اسماعیل کی ہر طرح کی بدنامی تھی، اس لیے خط میں خاص طور سے یہ بات امام نے لکھ دی تھی کہ ہم کو نہ تو ان کی دیانت داری میں کوئی شبہ ہے اور نہ انہوں نے درہم ودینار میں کوئی خیانت کی ہے، مگر ان سے شکایت یہ ہے کہ انہوں نے ایک سنت جاریہ کے خلاف فتویٰ دیا اور فیصلہ کیا ہے۔ (کندی نے کتاب القضاۃ میں ان کے معزول کیے جانے کی ایک وجہ اور بھی لکھی ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں وجہیں جمع ہوگئی ہوں۔)

خلیفہ منصور نے ان سے خواہش کی تھی کہ وہ پورے ملک میں اس کی نیابت قبول کرلیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پورے ملک کی نیابت نہیں بلکہ مصر کی امارت پیش کی تھی، مگر انہوں نے انکار کیا۔ اس نے پھر اصرار کیا تو اپنی کمزوری کا اظہار کیا۔ اس پر منصور نے بڑے زوردار الفاظ بلکہ شاہانہ انداز میں کہا کہ میری موجودگی میں آپ کو کسی کمزوری کا احساس نہ کرنا چاہیے، مگر اس شدید اصرار کے باوجود وہ اپنے فیصلہ پر جمے رہے اور یہ ذمہ داری قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔

اگر پہلا بیان صحیح ہے (جو حافظ ابن حجر اور امام ذہبی کا ہے) تو منصور ان کے سامنے پوری مملکت اسلام کی وزارت عظمیٰ پیش کر رہا تھا اور اگر دوسرا بیان صحیح ہے تو اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے اور مالدار صوبہ کی گورنری انھیں پیش کی جارہی تھی، مگر انہوں نے اس سے گریز کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گو اس وقت نظام حکومت اسلامی ہی تھا، مگر اقتدار جمہوری نہیں، شخصی تھا، اس لیے حکومت سے منسلک ہونے کے بعد اظہارِ حق کی پوری آزادی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ محتاط بزرگوں نے دربار سے بالکل بے تعلقی رکھی یا کم از کم اس کی کسی ذمہ داری کے قبول کرنے سے گریز کیا اور جن بزرگوں نے قبول کیا، وہ بڑی آزمائش میں رہے۔ اس آزمائش میں پڑنے کے بعد چند ہی بزرگ ایسے تھے جو اپنی حق گوئی اور جرات سے سلامت بچ گئے؛ ورنہ زیادہ تر لوگوں کا دامن اس آزمائش میں داغدار ہوکر رہا۔ (الرحمۃ الغیثیۃ ص ۸)

کیا عہدۂ قضا قبول کرلیا تھا؟

ابن خلکان اور صاحب شذرات الذہب نے لکھا ہے کہ امام لیث بن سعد نے عہدۂ قضا قبول کرلیا تھا، مگر یہ صحیح نہیں

ہے۔ اس کی متعدد وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ انہوں نے امارت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ جب انہوں نے امارت کی ذمہ داری قبول نہیں کی تو پھر اس سے کم درجہ کا عہدہ یعنی عہدہ قضا قبول کرنے کے کیا معنی؟ دوسرے یہ کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ جب ان کے حکم سے مصر کے امراء اور قضاۃ کا عزل و نصب تک ہوتا تھا تو پھر ان کو اس عہدہ کے قبول کرنے کی کیا ضرورت تھی جو خود ان کے اثر و اختیار کے تحت ہو؟ تیسری وجہ یہ ہے کہ کندی نے مصر کے قضاۃ کی مکمل تاریخ لکھ دی ہے۔ اس میں ولاۃ یا قضاۃ کی جو فہرست دی ہے، اس میں کہیں لیث بن سعد کا نام نہیں ملتا۔ بخلاف اس کے کتاب میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

بہر حال عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے باوجود امام لیث بن سعد دربار میں جاتے اور حسب موقع خلفاء کو نصیحت وموعظت بھی کرتے تھے۔ ایک بار ہارون الرشید سے ملنے گئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ مصر کی خوش حالی اور فارغ البالی کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ نہایت صفائی سے فرمایا کہ: ''نیل کے جاری رہنے اور مصر کے امیر کے صلاح وتقویٰ پر۔'' پھر فرمایا کہ نیل کے منبع کی طرف سے گندگی آتی ہے جس کی وجہ سے پوری نہر پٹ جاتی ہے۔ اس کی صفائی کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں سننے کے بعد ہارون نے کہا کہ آپ نے بہت صحیح فرمایا۔

اس زمانہ میں خلفاء و امراء کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کا عام رواج تھا۔ بسا اوقات یہ بدعت مسجدوں تک میں کی جاتی تھی۔ ایک بار معروف شاعر عمار بن منصور مصر آیا اور اس نے مسجد میں خلیفہ وقت کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ابھی اس نے اپنا قصیدہ ختم ہی کیا تھا کہ دو آدمی اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو امام لیث ابن سعد بلا رہے ہیں۔ جب یہ ان کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا کہ تم مسجد میں کیا پڑھ رہے تھے؟ اس نے قصیدہ دہرایا۔ سننے کے بعد ان پر افسوس اور رقت کی کیفیت طاری ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد جب یہ کیفیت دور ہوئی تو نام پوچھا۔ پھر اس کو روپے کی ایک تھیلی دی اور اس سے کہا کہ اپنے کلام کو سلاطین کے دربار سے بچائے رکھو اور کسی مخلوق کی مدح نہ کرو، بس خدا کی حمد و ثنا تمہارے لیے کافی ہے۔ ان شاء اللہ میں ہر سال تم کو اتنی ہی رقم بھیجتا رہوں گا۔ غالباً اس کے بعد سے اس نے کسی کی مدح نہیں کی اور امام کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گیا۔

امام لیث بن سعد نے اہل مصر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص سے روکا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جہاں اور بہت سے فتنے پیدا ہوئے، وہاں ایک فتنہ بزرگوں پر طعن و تشنیع اور سب و شتم کا بھی تھا۔ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مددگار تھے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چھینٹے اڑانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مصر کے باشندے عام طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی تھے، اس لیے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت و تنقیص کیا کرتے تھے۔ مصر میں جب امام لیث بن سعد کا اثر و رسوخ بڑھا تو انہوں نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل عام طور پر بیان کرنے شروع کر دیے، یہاں تک کہ تنقیص عثمان رضی اللہ عنہ کی بدعت سیئہ مصر سے ختم ہو گئی۔

(الرحمۃ الغیثیۃ و تاریخ بغداد) (جاری)